مقاصد قرآن

(از جناب مولانا عبید الرحمٰن صاحب عاقل فاضل مدرسہ رحمانیہ دہلی (افضل العلما) پروفیسر جامعہ دار السلام عمر آباد (مدراس)

تاریخ عالم شاہد ہے کہ دنیا میں بڑے بڑے انقلابات واقع ہوئے ہیں لیکن ان میں سب سے بڑا اور اہم وہ انقلاب ہے جو ظہور اسلام سے پیدا ہوا، تمام مفکرین کا اتفاق ہے کہ اسلامی انقلاب کا سب سے بڑا اہم سبب صرف قرآن مجید ہے جس نے صرف تئیس سال کی مدت میں ایک مردہ قوم کی کایا پلٹ دی اور تمام انسانی عقول اور انسانی ارادوں کو ان ہستیوں کے پنجوں سے بالکل آزاد کر دیا جو یا تو اپنے لئے صفت ربوبیت ثابت کرتی تھیں یا نیابت کا دعویٰ رکھتی تھیں وہی انسان جو اپنے کو بالکل ذلیل سمجھتا تھا قرآن کی روشنی کے بعد اپنی ہستی کو تمام اشیاء عالم سے برتر سمجھنے لگا اور اسکی جبین نیاز غیروں کے سامنے جھکنے سے اپنی ذلت اور ہتک عزت سمجھنے لگی، آخر قرآن میں وہ کونسی چیز ہے کہ جسکو اختیار کرنے سے کوئی قوم ہر قسم کی ترقی حاصل کر سکتی ہے؟ اور وہ کونسی چیز تھی جس پر عمل کرنے سے اگلے مسلمان تمام دنیا کے استاد اور رہنما بن گئے اسمیں کوئی شک نہیں کہ وہ قرآنی تعلیم ہی اور وہ قرآن حکیم کے مقاصد ہیں جو قیامت تک اپنے پیروں کو بام ترقی پر پہنچاتے رہیں گے۔ آج اگر ہم بھی ٹھنڈے دل سے ان مقاصد پر غور کر کے ان کو اپنا دستور العمل بنائیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ قرآن حکیم کے اس اعلان اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ کے مطابق صحابہ کرام کی طرح ہم بھی دین و دنیا میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

چونکہ یہ مقاصد حد درجہ اہم ہیں اور قرآن کے قبل جسقدر انبیاء کرام اور حکماء عظام نے ترقی کے اصول بتائے تھے ان سب سے اعلیٰ وارفع ہیں اس لئے ہم ان اصول کو اس جگہ نمبروار تحریر کرتے ہیں تاکہ مسلمانان ہند اپنی بدبختی اور پستی کے اسباب سمجھ سکیں، ان مقاصد پر تفصیلی روشنی ڈالنی تو بہت مشکل کام ہے اسلئے مجملاً ذکر کیا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ نزول قرآن کے قبل جسقدر شریعتیں آئیں وہ سب وقتی اور مخصوص بالمکان تھیں اسلئے ان کے اصول بھی اسی قسم کے تھے، یہی وجہ ہے کہ ترقی کے جو کچھ اصول ان میں بیان کئے گئے ہیں وہ دنیا کی تمام قوموں پر یکساں منطبق نہیں ہو سکتے چنانچہ آج دور ترقی میں تمام اقوام متمدنہ اپنے تاریخی مذہب کے اصول سے قطعاً غافل اور اسے بھلائے بیٹھی ہیں اور بالواسطہ یا بیواسطہ قرآنی اصول پر عمل پیرا ہیں۔ یہ تو شریعت کا حال ہوا، باقی رہے فلاسفہ اور حکما تو یہ بالکل اپنی عقل کے بندے تھے، ان کی عقلوں میں جو بات مناسب معلوم ہوئی اس کو اپنی قوم کیلئے بطور اصول کلی پیش کیا اور نفسیات کا یہ مسئلہ بالکل صاف ہے کہ عقل اپنے ماحول اور میلان طبیعی سے بہت زیادہ متاثر ہوتی ہے اس لئے ان کے اصول بھی عالمگیر نہ ہو سکے۔ خیال تو کیجئے کہ افلاطون جیسا فلسفی لیکن اپنے میلان طبیعی کے باعث یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے کہ شادی و نکاح کا مروجہ طریقہ جس میں ایک مرد و عورت باہم ملا دیئے جاتے ہیں بالکل غلط ہے بلکہ اس کے نزدیک صحیح طریقہ یہ ہے کہ ملک کے چند نوجوان تندرست مردوں اور اسیقدر صحتور عورتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ اس طرح جو بچے پیدا ہونگے وہ حکومت کے بچے کہلائیں گے۔ اور

شفقت پدری کا انحصار صرف چند بچوں میں محصور نہیں ہوسکتا جیسا کہ شادی کے مروجہ طریقہ میں ہے، اس اصول کو افلاطون اپنی کتاب "جمہوریہ افلاطون" میں بڑے زور وشور سے بیان کرتا ہے لیکن کیا دنیا کی کوئی قوم اس پر عامل ہوسکتی ہے۔ روسی سلطنت جہاں شخصیت کو ہر چیز میں فنا کردیا گیا ہے وہ بھی افلاطون کے اس طریقہ کو اختیار نہ کرسکی، افلاطون کا یہ نظریہ محض اس کے میلان طبعی کا نتیجہ ہے چونکہ وہ جمہوریت کا دلدادہ تھا اسلئے اس کی عقل اس میلان کے ماتحت یہ نظریہ اختیار کرنے میں کامیاب نہ ہوسکی۔ غرض مقصد یہ ہے کہ فلاسفہ نے بھی جو کچھ ترقی کے اصول بتلائے ہیں وہ بھی شرائع سابقہ کی طرح ماحول کے اثرات سے وقتی اور مخصوص بالمکان ہوکر رہ گئے۔ اسلئے ترقی کے عالمگیر اصول وہی ہیں جنکو قرآن نے پیش کیا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن انسانی ہاتھ سے قطعاً بے نیاز اور انسانی فکر سے بالکل مستغنی ہے۔ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا

(۱) پہلا مقصد۔ مذہب کے ارکان ثلثہ کی اصلاح | مذہب کے ارکان اساسیہ جنکو لیکر تمام انبیاء کرام دنیا میں تشریف لائے اور جن پر انسانی سعادت کی بنیاد رکھی گئی ہے وہ صرف تین ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصَارٰى وَالصَّابِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ، اس آیت کریمہ میں تین چیزیں بیان کی گئی ہیں ایمان باللہ آخرت پر ایمان اور عمل صالح۔ قرآن کا پہلا مقصد یہ ہے کہ ان تینوں میں جو کچھ غلطیاں ہوگئی ہیں ان کی اصلاح کرے ایمان باللہ میں قرآن کے قبل والی تمام قومیں قطعاً گمراہ ہوچکی تھیں، یہودیوں نے اللہ کو انسان کی طرح ایک ہستی فرض کرلیا تھا جو کام کے بعد تھک جاتی تھی اور وہ ہستی کبھی کبھی انسانی شکل میں نمودار ہوکر کشتی لڑا کرتی تھی جیسا کہ اسرائیل سے لڑی اور دوسری بت پرستیاں بھی ان میں نمودار ہوچکی تھیں نصاریٰ بت پرستی میں یہودیوں سے بھی ایک قدم آگے بڑھے ہوئے تھے یہانتک کہ ان کے گرجے اب تک مندروں کی طرح بتوں سے معمور نظر آتے ہیں اگرچہ بعض فرقے نے اب کچھ اصلاح کرلی ہے تاہم تثلیث صلیب اور کفارہ کا مسئلہ مشترک ہے اور یہ تینوں عقیدے ہندوؤں سے لئے گئے ہیں۔ کیونکہ کرشن کے متعلق ان کا عقیدہ بھی یہی ہے۔ قرآن حکیم نے ان تمام غلط اعتقادات کی دھجیاں بکھیر دیں اور ثابت کیا کہ خدا ہر حال میں ایک ہی ہے دنیا کی کوئی طاقت اس کے سوا مسجود نہیں، توحید کے مسئلہ کو قرآن نے اس کثرت کے ساتھ بیان کیا کہ عربوں کے رگ وریشہ میں یہ چیز سرایت کرگئی اور دنیا کے کسی خطہ میں بھی یہ چیز ان کے ہاتھوں سے نکل نہیں سکی۔ مگر آج نام نہاد مسلمان بھی خدائی قوت کے علاوہ دوسری قوتوں کو تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ محرم اور عرس وغیرہ میں نظر آتا ہے۔

ارکان اساسیہ کا دوسرا رکن آخرت پر ایمان ہے، یہ چیز بھی اقوام عالم میں اپنی اصلیت پر باقی نہ رہی تھی، عرب کے مشرکین بالکل ہی اس کے مخالف تھے ان کے نزدیک بعث وحساب ایک عجیب وغریب چیز تھی، یہودیوں نے جنت کو صرف بنی اسرائیل کی وراثت قرار دے لیا تھا۔ عیسائیوں میں کفارہ کا مسئلہ رائج ہوگیا ان دونوں اعتقاد کی صورت میں تمام برائیوں کے دروازے کھل جاتے ہیں حالانکہ قوم کے اندر عملی جذبہ اور منکرات وفواحش سے پرہیز

اسوقت تک پیدا ہوہی نہیں سکتا جبتک کہ بعث وحساب کا اعتقاد اس کے اندر جلوہ گر نہ ہو قرآن حکیم نے ان غلطیوں کی اصلاح کی اور آخرت کا صحیح نقشہ عالم کے سامنے پیش کیا اور چونکہ جمیع ادیان کا یہ دوسرا رکن ہے اس لئے اس پر بھی توحید کی طرح بہت زور دیا اور منکرین کیلئے بیشمار دلائل سے اس کی واقعیت ثابت کی اور اس طرح اس مسئلہ کو حل کردیا کہ اب اس پر مزید اضافہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے بعد مذہب کا تیسرا رکن عمل صالح ہے کیونکہ یہ ایمان باللہ کے لوازم میں سے ہے، ظاہر ہے کہ جو شخص خدا کو پہچان لیگا وہ یہ بھی معلوم کرلیگا کہ وہ ہستی قابل حمد وشکر اور لائق تعظیم وتکریم ہے۔ عمل صالح میں بھی گذشتہ قومیں افراط وتفریط میں مبتلا تھیں، بعض قومیں محض تقلیداً کسی عمل کو انجام دیتی تھیں اس سے اصلاح نفس مقصود نہیں ہوتا تھا، عیسائی تو اسمیں اسقدر سختی سے کام لیتے تھے کہ آخر چل کر یہی چیز رہبانیت بن گئی۔ قرآن نے ان تمام غلطیوں کو واضح کیا۔ اعمال صالحہ کے تمام اصول بالتفصیل بیان کئے اور افراط وتفریط سے سختی کے ساتھ روکا اور ایسے انداز میں ان چیزوں کو پیش کیا کہ وہ فطرت انسانی کے مطابق ہوں، خلاصہ یہ کہ مذہب کے یہ تینوں ارکان جمیع اقوام عالم کے مذاہب میں پائے جاتے ہیں جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان کی اصل ایک ہے یعنی وحی اور ہدایت رسول، اگرچہ مرور زمانہ کے بدعت پرستی کی وجہ سے ان میں مختلف فسادات لاحق ہوگئے۔ آخر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہوا اور آپ قرآن مجید لیکر دنیا کے سامنے ظاہر ہوئے اس قرآن نے ان تمام برائیوں کو واضح کرکے جو ان ارکان میں پھیل چکی تھیں ان کا صحیح راستہ اور صحیح طریقہ بتایا اور ان تمام کو فطرت انسانی کے مطابق اس طرح پیش کیا کہ دنیا کا ہر خطہ بآسانی ان پر عمل کرسکتا ہے۔

(۲) نزول قرآن کا دوسرا مقصد، حیات اجتماعی وسیاسی کی اصلاح ہے | جسوقت قرآن مجید کا نزول ہورہا تھا اس وقت تمام انسان باہم متفرق تھے، اپنے اپنے انساب، الوان، زبانیں، اوطان، ادیان، مذاہب، مشارب، قبائل، سیاسیات۔ اور حکومات میں مشغول، ان میں کا ہر فریق، اس فریق سے جنگ کرنا بالکل صحیح سمجھتا تھا۔ جس میں اس فریق کے روابط بشریہ نہ پائے جاتے تھے، خلاصہ یہ کہ تمام کرۂ زمین ہرج ومرج کا عجیب وغریب منظر پیش کررہا تھا۔ قرآن نے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ ان کو پکارا کہ یہ کیا کررہے ہو، تم تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہو، آؤ اپنے اندر ایک عام وحدت انسانی پیدا کرو جو دنیا کے تمام قبائل اور شعوب کو شامل اور محیط ہو، ایک طرف تو ان کو وحدت انسانی قائم کرنے کی دعوت دی اور دوسری طرف تفریق اور باہمی عداوت سے روکا اور تفریق کے ضرر کو تاریخی شواہد سے ثابت کرکے دکھلایا، چنانچہ قرآن کہتا ہے۔ إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ۔ اس آیت میں صاف طور پر بیان کیا کہ محمد رسول اللہ صلعم کی امت تمام انسان ہیں خواہ وہ کسی قوم اور قبائل کے ہوں اور آپ کے پہلے تمام انبیا کی امتیں صرف انھیں کی قوم ہوا کرتی تھیں اسلامی وحدت کی تکمیل کیلئے آٹھ چیزوں میں وحدت ضروری ہے اور قرآن کا یہی مقصد ہے کہ زمین کے باشندے ان آٹھ چیزوں میں ایک ہوجائیں وہ آٹھ چیزیں یہ ہیں۔ وحدت امت۔ وحدت انسانیت، وحدت دین۔ وحدت تشریع وقانون۔ وحدت دینی بذریعہ مساوات۔ وحدت سیاسی۔ وحدت قضا وحدت لغت یعنی زبان۔

اگران تمام وحدات کی تفصیل کی جائے تو مضمون بہت طویل ہوجائیگا بلکہ اس کے لئے ایک دفتر کی ضرورت پڑے گی اسلئے ہم مختصراً اس کی تاریخ کیطرف متوجہ ہوتے ہیں۔ قرآن نے مسلمانوں کو انھیں وحدات کی دعوت دی جسکو آج جمعیت اسلامیہ کہتے ہیں تاریخ شاہد ہے کہ صحابہ کرام نے اپنے دور میں اس کو اچھی طرح استعمال کیا جہاں گئے اپنی تہذیب وتمدن اور اپنی زبان ساتھ لیتے گئے، بعض ممالک کی زبانیں بالکل ہی بدلدیں حتی کہ آج اس کی حروف تہجی بھی معدوم ہے۔ مصر کی زبان قبطی تھی آج وہاں عربی ہے، ایران کی قدیم فارسی بالکل ہی نابود ہوگئی، کسی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کی حروف تہجی کیا تھیں۔ اندلس میں تقریباً عربی زبان رائج کرچکے تھے۔ اگر بعد والوں میں بدعتیں اور حکومتوں میں ظلم وجور پیدا نہ ہوتا تو یقیناً آج کرۂ زمین کا بیشتر حصہ جمعیت اسلامیہ کی زنجیر میں مقید ہوتا۔ جمعیت کے مقصد میں سب سے پہلے جس نے اختلاف کی بنیاد ڈالی وہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما تھے چنانچہ جرمن کے کسی عالم نے آستانہ میں کسی ترکی کو کہا کہ ہم لوگ اپنے دارالسلطنت برلن میں معاویہ بن ابی سفیانؓ کا ایک مجسمہ نصب کرنا چاہتے ہیں اس نے پوچھا یہ کیوں؟ تو جرمنی نے کہا یہ اسلئے کہ وہی پہلا مسلمان ہے جس نے حکومت اسلامی کے دیموکریٹی یا جمہوری نظام کو شخصی عصبیت کی طرف منتقل کردیا اگر وہ ایسا نہ کرتا تو یقیناً اسلام تمام عالم میں پھیل جاتا اور ہم تمام جرمن اور دوسرے ممالک کے باشندے آج عرب مسلمان ہوتے۔

غرضیکہ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ جمعیت اسلامیہ کمزور ہوتی گئی یہانتک کہ تیرہویں صدی اور چودہویں صدی عیسوی میں بالکل ہی نابود ہوگئی۔ ادہر جمعیت کمزور ہوگئی ادہر سلطنتیں مسلمانوں کے ہاتھ سے نکلنی شروع ہوگئیں سب سے پہلے اندلس نکلا پھر رفتہ رفتہ تمام ممالک نکل گئے۔ اور مسلمانوں کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی آخر بارہویں صدی ہجری میں دنیا کے سب سے بڑے مفکر مسلمان محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کی آنکھیں کھلیں۔ انھوں نے دیکھا کہ اگر اب بھی مسلمان ہوشیار نہ ہوئے تو پھر زمین سے ان کا نام ونشان مٹ جائیگا چنانچہ پانچسو سال کے بعد از سر نو مسلمانوں کے کانوں میں یہ آواز سننے میں آئی کہ ہوشیار ہوجاؤ، اپنے اندر پھر وہی جمعیت پیدا کرو جو ہمارے اسلاف میں تھی انگریزی مدبرین کا بیان ہے کہ اگر محمد علی پاشا وہابی فوج کو شکست نہ دیتا بلکہ ان کے ساتھ ملجاتا تو یقیناً پھر مسلمان چند دنوں میں پہلی سی شان وشوکت حاصل کرلیتے مگر ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

تاہم محمد بن عبدالوہابؒ کی چیخ رائگاں نہ گئی، یہ ایک چنگاری تھی جس نے راکھ سے نکلتے ہی تمام دنیا کو شعلہ زار بنادیا، ہر جگہ کے مسلمان سنبھلے، طرابلس میں سنوسی نے اپنا اکھاڑا قائم کیا اور اٹلی والوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ ترکی میں "نوجوان ترک" کی تحریک بڑے اعلیٰ پیمانہ پر اٹھی جس کا نتیجہ آج ہماری آنکھوں کے سامنے ہے ادہر مصر میں ہنگامہ برپا ہوا، مرحوم حکیم مشرق جمال الدین افغانی نے اس تحریک میں جان ڈالدی، ہندوستان بھی محمد بن عبدالوہابؒ کی آواز سے محروم نہ رہا۔ سید احمد بریلوی اور مولانا اسمٰعیل شہید رحمہما اللہ اور بعد میں دوسرے بڑے بڑے لیڈر اس جمعیت کی تکمیل کیلئے کھڑے ہوئے اور آخر اس حد تک نوبت پہنچی کہ لفظ "وہابی" ہندوستان میں بغاوت کا ہم معنی ومرادف قرار دیا گیا۔ غرضیکہ تمام اسلامی دنیا میں اک آگ لگ گئی اور موجودہ دور میں جو کچھ مسلمانوں میں بیداری کے آثار نظر آرہے

ہیں اور اسلامی حکومتیں جو کچھ باہم معاہدے کرتی نظر آرہی ہیں یہ سب اسی محمد بن عبدالوہابؒ اور جمال الدین افغانیؒ کے آواز کی صدائے بازگشت ہیں، خدا کرے کہ مسلمان جمعیت اسلامیہ کے قائم کرنے میں کامیاب ہوں اور پھر ان میں وہی وحدت ملیہ پیدا ہو جو ان کے اولین اسلاف میں تھی۔

(۳) قرآن کا تیسرا مقصد۔ عورتوں کو جمیع حقوق انسانی مذہبی اور مدنی دلانا ہے

نزول قرآن کے قبل تمام اقوام کے نزدیک عورتیں مظلوم اور لونڈیاں تھیں ان کی کوئی خاص ہستی نہ تھی بلکہ ہر چیز میں مردوں کے تابع تھیں، ہزاروں اقسام کے ظلم ان پر روا رکھے جاتے تھے حتیٰ کہ گذشتہ شریعتیں اور قوانین نے بھی ان کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی۔ یونان میں تمام دنیا کے فلاسفہ مجتمع تھے لیکن وہاں جیسی ان کی مٹی برباد ہو رہی تھی کہیں نہ تھی۔ آخر اسلام اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آیا اور اس نے اپنے عالمگیر قانون کی رو سے عورتوں کو بھی وہی حقوق عطا کئے جو مردوں کو دیئے۔ ہاں حقوق میں وہاں اختلاف کیا گیا جہاں نسوانی طبیعت اور وظائف اس کے مخالف تھے۔

زمانہ قدیم میں عورتیں جانوروں کی طرح فروخت کی جاتی تھیں، زنا کرنے پر ان کو مجبور کیا جاتا تھا ان کے مال میں سے مردوں کو حق مل سکتا تھا لیکن مردوں کے مال سے ان کو کچھ لینے کا حق نہ تھا، وہ کسی کی ملکیت بن سکتی تھیں لیکن مالکہ بننے کا حق ان کو حاصل نہ تھا۔ بعض ممالک میں تو یہ اختلاف تھا کہ عورتیں بھی مردوں کی طرح نفس اور روح رکھتی ہیں یا نہیں؟ ملاحظہ ہو تاریخ اخلاق یورپ، چنانچہ روم کی ایک مجلس نے یہ پاس کیا تھا کہ عورتیں ناپاک حیوان ہیں، ان کے اندر روح کا وجود نہیں تاہم ان پر عبادت اور خدمت ضروری ہے اونٹ اور کاٹنے والے کتے کی طرح ان کے منہ کو بند کر دیا جائے۔ تاکہ وہ ہنس اور بول نہ سکیں کیونکہ عورتیں شیطان کی جان ہیں" بعض ممالک کے قانون میں والد کو بیٹی فروخت کرنیکا حق حاصل تھا۔ غرضکہ اسی قسم کے بیشمار جابرانہ قانون موجود تھے۔ اسلام نے ان تمام لغویات کو نہایت فطری قانون کے ذریعہ دفع کیا مثلاً

(۱) یورپ کے باشندے عورتوں کو جانور یا شیطان سمجھتے تھے اور بعض کو اس کے انسان ہونے میں شک تھا۔ قرآن حکیم نے صاف لفظوں میں تردید کی۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ دوسری جگہ فرمایا خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً۔

(۲) بعض اقوام کا خیال تھا کہ عورتوں کیلئے مذہب ضروری نہیں یہانتک کہ وہ مقدس کتابیں بھی ان کو پڑھنے کیلئے نہیں دیتے تھے لیکن قرآن مجید مرد اور عورت دونوں کو مومنین و مومنات اور مسلمین و مسلمات کے معزز لقب سے یاد کرتا ہے حتیٰ کہ اسلام میں سب سے پہلے جو ہستی محمد رسول اللہ صلعم پر ایمان لائی وہ ایک عورت ہی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی بھی تھیں۔

(۳) عرب، بنی اسرائیل اور بعض دوسری قومیں بہت زیادہ عورتوں سے شادی کر لیتے تھے، کوئی خاص تعداد متعین نہ تھی جس کی وجہ سے انسانیت افق حیوانیت میں داخل ہو گئی تھی، اسلام نے ان کو ایک خاص عدد کیساتھ مقید کر دیا اور جو شخص عدل کی طاقت نہ رکھتا ہو اس کیلئے ایک ہی عورت ضروری قرار دی اور ساتھ ہی زوجیت کے

جمیع حقوق بھی عطا فرمائے۔ وہی یورپ جو مسئلہ طلاق کی لغویت پر بڑے بڑے مقالے لکھ رہا تھا اور یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ یہ مسئلہ قانون فطری کے بالکل مخالف ہے مگر آج اس کے قانون ملکی میں عورتوں کے حقوق کی فصل میں سب سے پہلے اسی مسئلہ کو جگہ دی گئی ہے اور اس طرح اس پر عمل کیا جارہا ہے کہ دنیا انگشت بدنداں ہے تھوڑی سی ناراضگی پیدا ہوئی اور فوراً طلاق۔ حتیٰ کہ امریکہ کی عدالت طلاق میں مردوں اور عورتوں کا اسقدر ہجوم رہتا ہے کہ ویسا مجمع کسی عدالت میں نہیں ہوتا۔ آج یہی لوگ اس مسئلہ کو فطرت کا سب سے صحیح قانون تسلیم کرتے ہیں غرضکہ قرآن نے عورتوں کی ہستی بہت بلند کردی۔ اور جسقدر مظالم ان پر کئے جاتے تھے سب کا سدِباب کردیا۔

(۴) قرآن حکیم کا چوتھا مقصد یہ ہے کہ اسلام، فطرت سلیمہ، عقل و فکر، علم و حکمت، برہان و حجت اور حریت و استقلال کا حامی ہے۔ انسان پر ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے کہ وہ دین کے متعلق صحیح قدر جانتا تھا کہ امور مذہبی چند ایسی باتیں ہیں جو دائرہ عقل و حکمت سے خارج ہیں اور انسان کو اپنی فطرت کا مقابلہ، تکلیف و تہذیب نفس اور عقول سے جنگ کرنے کیلئے ان باتوں پر عمل کرنے کی تکلیف دی گئی ہے، عقلی حیثیت سے ان احکام میں غور و فکر کرنا قطعاً ممنوع تھا، اسی قسم کی تاریکی جمیع اقوام کے ملل و ادیان پر چھائی ہوئی تھی۔ یہانتک کہ خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، آپ نے بیان فرمایا کہ دین و مذہب کے احکام عین فطرت ہوا کرتے ہیں۔ اسمیں کوئی بات خلاف عقل و حجت اور علم و حکمت نہیں ہوا کرتی۔ آپ نے اعلان فرمایا کہ انسان کی روح، عقل و خمیر پر خدا کی مخلوق میں سے کسی کا غلبہ نہیں بلکہ جمیع عقول کے ہادی صرف اللہ کے رسول ہیں جو عقل و حکمت کی روشنی میں ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔

(۱) اسلام عین فطرت ہے:۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ۔ اس آیت سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اسلام عین فطرت ہے، فطرۃ اللہ سے مراد وہ امور ہیں جن پر انسانی جبلت کی بنیاد رکھی گئی ہے اور جو دونوں جہاں کی زندگی کو محیط ہیں جیسے قوائے جسمانیہ حیوانیہ، قوائے روحانیہ ملکیہ اور عالم شہادت و غیب کی معرفت کی استعداد جس کے تحت انسان کو طبعاً ایک مطلق دین یعنی کسی سلطان غیبی کا وجدانی شعور ہوجاتا ہے، پس عبادت فطری نام ہے اسی رب غیبی کی طرف وجدانی توجہ کا تمام ضروریات زندگی میں، اگر اس کے خلاف کوئی حکم موجود ہو مثلاً بتوں وغیرہ کی طرف توجہ تو یہ چیز یقیناً خلاف فطرت کہلائے گی، فطری مذہب کا اصل الاصول یہی قانون ہے جو بیان ہوا۔ اسی اصل پر وہ تمام اسلامی تعلیم متفرع ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا تاکہ خدا کے بندے اپنے اجتہاد اور اختلاف عملی کیوجہ سے گمراہ نہ ہوجائیں، کیونکہ محض فطرت انسانی ہدایت کیلئے کافی نہیں ہے اگر بالفرض ایک انسان اپنی فطری قابلیت کی بنا پر کامیاب بھی ہوجائے تو نوعی حیثیت سے یہ حکم قانون کلی نہیں بن سکتا۔ اسلئے اسلامی تعلیم کے بغیر کمال نوعی مکمل نہیں ہوسکتا۔

(۲) اسلام عقل و فکر والا مذہب ہے۔ تم کتاب مقدس کی پوری لغت پڑھ جاؤ کسی جگہ لفظ عقل یا اس کا ہم معنی

جو انسانی غریزت پر دلالت کرتا ہو جس کی وجہ سے اللہ نے اسکو اشرف المخلوقات بنایا نہیں مل سکتا اسی طرح کتاب مقدس میں تفکر و تدبر کے الفاظ بھی معدوم ہیں لیکن قرآن میں لفظ عقل اپنے اسم و فعل کیساتھ تقریباً پچاس جگہ مذکور ہے اُولُوا الْاَلْبَابِ کا ذکر دس جگہ اور اُولُوا النُّهٰی کا لفظ ایک جگہ مذکور ہے قرآن مجید میں ہر اس مقام پر جہاں آیات اللہ کی بحث آئی ہے اور جس کے سمجھنے کیلئے تدبر و تفکر کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ نے عقل سے استشہاد فرمایا ہے چنانچہ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ کے اخیر کو یوں ختم فرمایا لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔ کسی جگہ فرمایا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ کسی جگہ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ اگر کوئی ان آیات میں غور کریگا تو اس کو صاف معلوم ہوگا کہ مذہب اسلام والے اہل نظر و فکر اور اہل عقل ہیں کیونکہ قرآن نے ان کو ہر جگہ نظر و فکر اور عقل سے کام لینے کی تاکید کی ہے، اسلام کے قبل تمام اہل مذاہب حریت فکریہ اور استقلال عقلی سے خالی تھے مگر بعد میں مسلمانوں سے ان لوگوں نے یہ چیزیں لے لیں اور خود مسلمان بری طرح اندھی تقلیدوں میں مبتلا ہو گئے یہانتک کہ آج بھی غیر ملکی و غیر اسلامی تہذیب و تمدن کو اختیار کرنے میں پروانوں کی طرح بے تحاشا یورپ کی طرف بھاگے چلے جا رہے ہیں، کاش اگر تقلید بھی کرتے تو کسی اچھی چیز کی لیکن نہیں جو چیز مسلمانوں کیلئے مہلک ہے اسی کی تقلید کرتے ہیں خیال تو فرمائیے کوٹ و پتلون بھی انگریز ہی پہنتے اور ساتھ ہی ہمالیہ کی برفستانی چوٹیوں پر چڑھکر اپنی جان بھی دیدیتے ہیں مگر مسلمان کوٹ و پتلون کی نقالی تو کرتے ہیں کیا کبھی شہید جستجو و تحقیق بننے کیلئے اپنے گھر سے باہر قدم رکھنے کی بھی جرأت کی اسی کا نام اندھی تقلید ہے، قرآن اس کا سخت مخالف ہے وہ اپنے پیروؤں کو ہر ہر قدم پر عقل و فکر سے کام لینے کی ہدایت کرتا ہے۔

(۳) اسلام علم و حکمت والا مذہب ہے:۔ لفظ علم قرآن کی آیتوں میں دس جگہ مذکور ہے اور اس کے مشتقات تو بہت زیادہ ذکر کئے گئے ہیں، علم کا اطلاق دینی و دنیوی علوم کے جمیع انواع پر کیا جاتا ہے، قرآن نے علم کی ان دونوں قسموں کو بالتفصیل بیان کیا ہے یہانتک کہ اصولی طور پر یہ بیان کیا وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ یعنی محض قیافہ اور ظن کے اعتبار سے حکم نہ لگاؤ بلکہ جو کچھ کہو اذعان اور علم کے بعد کہو، علم عقلی کے متعلق فرمایا وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًی وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِیْرٍ اس آیت میں علم سے مراد علم نظری ہے کیونکہ اس کو ھدی اور کتاب منیر کا مقابل قرار دیا ہے جو علم سمعی سے متعلق ہیں۔ حکمت کے متعلق فرمایا یُؤْتِی الْحِكْمَةَ مَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًا۔ تعجب تو یہ ہے کہ موجودہ دور میں تمام مسلمان فقہ اور اصول فقہ وغیرہ علم سمعی کی طرف زیادہ راغب ہیں اور علم طبعی سے قطعاً جاہل، حالانکہ قرآن میں فقہ سے متعلق آیتیں تین سو سے زیادہ نہیں اور علم طبعی وغیرہ کی طرف جو آیتیں اشارہ کرتی ہیں تمام قرآن مجید ان سے بھرا ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ جب تک علوم ان کے ساتھ رہا ان کی تہذیب اور اقتصادیات تمام عالم پر پھیلی ہوئی رہیں اور جہاں فروعی علم کیطرف متوجہ ہوئے اور بقیہ علوم کو چھوڑا فوراً ادبار کی کالی گھٹا ان پر چھا گئی اور آج تک چھائی ہوئی ہے، اقوام یورپ کی برتری محض انہیں علوم کی بنا پر ہے۔ اگر مسلمانوں نے ان علوم کو پھر اختیار کیا تو یقیناً پھر ان کی سیاست و تجارت

اور جمیع فنون وصنائع اصلی قدیمی حالت پر آجائیں گی ورنہ یہی دنیا ہے اور یہی محکومی۔ کسقدر حیرت کی بات ہے کہ ہم اپنی زندگی کی معمولی سے معمولی چیزوں میں بھی غیروں کے دست نگر ہیں اور خود ان کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

ناظرین! آپ قرآن حکیم کے ان مقاصد میں غور کریں کیا دنیا کی کوئی الہامی کتاب ایسا بہترین اور پاکیزہ اصول اپنی تعلیم میں بتا سکتی ہے، ہرگز نہیں؟ جب قرآن میں ایسے بہترین اصول ہیں تو پھر ہندوستان کے مسلمان جو رات و دن قرآن پڑھتے ہیں کیوں ترقی نہیں کرتے؟ بات اصل یہ ہے کہ محکوم قومیں قرآن کے جمیع مقاصد پر یقیناً عمل نہیں کرسکتیں، ہندوستان میں ہم کو شرائع کے استعمال کا اسی وقت تک اختیار ہے جب تک کہ وہ حاکم قوم کے مفاد کے خلاف نہ ہو، آپ اگر غور کرینگے تو سوائے نماز و روزہ وغیرہ شرعی احکام کے دوسرے سیاسی مقاصد پر ہندوستان والے قطعاً عمل نہیں کرسکتے، پھر ہم کیونکر ترقی کرسکتے ہیں جب تک کہ ہمارا عمل قرآن کے جمیع مقاصد پر نہ ہو، آپ مصر و ترکی اور ہندوستان کے مسلمانوں کا موازنہ کر کے دیکھ لیجئے وہ آزاد ہونے کی بنا پر قرآن کے جمیع مقاصد پر عمل پیرا ہیں اسلئے یونا فیونا سرعت کیساتھ ترقی کر رہے ہیں اور ہندوستان کے مسلمان جیسے نصف صدی پہلے تھے آج بھی اسی مرکز پر گھوم رہے ہیں۔ اگر ہم ہندی مسلمان ترقی کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ہم کو غلامی کے پنجہ سے رہائی حاصل کرنا چاہیے جو تمام برائیوں کی علت العلل ہے پھر ہم یقیناً زندگی کے ہر شعبہ میں آسانی کے ساتھ ترقی کرسکتے ہیں کیونکہ حریت میں ایک ایسی کشش ہے جو افراد کو خود بخود ترقی کی طرف کھینچتی ہے، جیسا کہ اسلامی تاریخ اسپر شاہد عدل ہے۔

بعض کوتاہ بینوں کا یہ خیال ہے کہ اگر ہم نے صرف نماز پڑھ لی اور روزہ رکھ لیا تو بس ہماری ترقی کیلئے کافی ہے یہ خیال حد درجہ خطرناک اور غلط ہے۔ قرآن نے ترقی کے دو اصول پیش کئے ہیں ایک انفرادی شخصیت کی ترقی اور دوسرا اجتماعی قوت کی ترقی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اگر ہم نے صرف پہلے اصول پر عمل کیا تو محض انفرادی حالت میں ترقی کر جائیں گے اجتماعی حالت بہتر نہیں ہوسکتی مثلاً نماز و روزہ کے اصول ہر فرد انسان کی شخصی ترقی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اگر دنیا کے تمام مسلمان صرف نماز پڑھ لیں تو اس سے صرف ان کی شخصیت علی حسب استطاعت ترقی کریگی اس سے حکومت حاصل نہیں ہوسکتی اور نہ محض نماز پڑھ لینے سے ہم غلامی سے نجات پاسکتے ہیں بلکہ حکومت اور غلامی سے نجات پانے کیلئے قرآن نے دوسرے اصول پیش کئے ہیں۔ جب تک ہم اس پر عمل نہ کریں یقیناً اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ قرآن حکیم کے مقاصد میں سے ہم نے صرف چند مقاصد پیش کئے ہیں، ورنہ ابھی اور ہیں جن کے بیان کرنے کیلئے نہ تو میرے پاس وقت ہے اور نہ موقر "محدث" کے زریں صفحات اسکے متحمل ہوسکتے ہیں اسلئے صرف اسی قدر تفصیل پر کفایت کی جاتی ہے، نوجوانوں سے درخواست ہے کہ ان مقاصد پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور پھر سوچیں کہ ہم باشندگان ہندوستان کی نکبت و مصیبت کے اسباب کیا ہیں، یقیناً وہ اسباب کے معلوم کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ اسباب معلوم ہونے کے بعد انکا فرض ہے کہ ان نقائص کے دفعیہ کی کوشش کریں اور دین و دنیا ہر دو جگہ کامیاب اور فائز المرام ہوں۔